اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ

کی روشنی میں انبیاء کی دعائیں اور ان کی عظمت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹ اپریل ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ خطبے میں یہ مضمون چل رہا تھا کہ سورۂ فاتحہ کی آخری دعا یعنی اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ایک بہت ہی مشکل دعا ہے کیونکہ وہ لوگ جن پر خدا نے انعام فرمایا ان کی راہیں بہت مشکل راہیں تھیں اور ان پر چلنے کی دعا مانگنا بھی بڑے حوصلے کا تقاضا کرتا ہے۔ساتھ ہی میں نے یہ بیان کیا کہ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان انعام یافتہ لوگوں کی زندگی کے حالات کو قرآن کریم کے شیشے میں دیکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی راہوں کو دعاؤں کے زور سے آسان کیا اور دعاؤں کے سہارے ان کا یہ سفر جو بہت ہی مشکل تھا آسانی سے طے ہوا یہاں تک کہ وہ اپنے نیک انجام کو پہنچے۔پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں بھی جب ہم سورۂ فاتحہ میں مذکور دعا کرتے ہیں تو ان دعاؤں کا سہارا لینا چاہئے جن دعاؤں کا سہارا ہم سے پہلے انعام یافتہ لوگوں نے لیا تھا ورنہ اس راہ پر سفر کرنا تو درکنار یہ دعا مانگنے کی بھی ہمت نہیں پیدا ہوسکتی۔کچھ دعائیں جو قرآن میں مذکور ہیں ان کا بیان گزر چکا۔اب میں جہاں سے مضمون ختم ہوا تھا وہاں سے دوبارہ شروع کرتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ

نے آپ کو مامور فرمایا اور بہت ہی مشکل کام تھا جو آپ کے سپرد ہوا یہاں تک کہ آپ نے محسوس کیا کہ ساری قوم انکار کر بیٹھے گی اور آپ کو رد کر دیا جائے گا تو اس وقت کیا ہوا۔ فرمایا: فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ (آل عمران:۵۳) کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کفر کو محسوس کیا تب کہا: قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ تو انہوں نے یہ دردناک صدا بلند کی مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کون ہے جو خدا کی راہ میں میری مدد کے لئے آگے آئے۔ اس وقت وہ چند حواری جو آپ پر ایمان لائے تھے انہوں نے کہا: قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ کہ ہم تیری مدد کے لئے خدا کی خاطر تیار ہیں۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ اور اے عیسیٰ! تو گواہ بن جا کہ ہم اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ تب انہوں نے یہ دعا کی: رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران:۵۴) کہ اے ہمارے رب! ہم جو تو نے اتارا ہے اس پر ایمان لے آئے ہیں وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ اور ہم نے اس رسول کی پیروی شروع کر دی ہے جس رسول کو تو نے بھیجا تھا۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ تو ہمیں بھی شاہدوں میں لکھ لے۔

اس دعا کی حکمت کو سمجھنا چاہئے۔ اس کے دو حصے ہیں پہلے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مومن مخاطب ہوتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ ہم پر گواہ بن جائیں اور اس کے بعد خدا سے مخاطب ہوتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ ہم پر گواہ بن جائیں اور اس کے بعد خدا سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ تو ہمیں گواہوں میں شمار کر لے۔ یہ نہیں کہا کہ تو ہمارا گواہ بن جا عرض کرتے ہیں فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کہ تو ہمیں بھی شاہدوں میں لکھ لے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انبیاء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں اور خدا پر ایمان لانے والوں کی نگرانی کریں اور ان کے اعمال کا ہمیشہ باریک نظر سے جائزہ لیتے رہیں کیونکہ قیامت کے دن ان کو ان لوگوں پر گواہ بنایا جائے گا اور گواہ بننے کے لئے جو شرائط ہیں وہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی اس معاملے میں گواہ بننے کے لئے ضروری شرط یہ ہے کہ جس نیکی کی وہ تعلیم دیتے ہیں اس نیکی پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اگر انبیاء میں یہ بنیادی شرط نہ پائی جاتی تو وہ ہرگز قوموں پر گواہ نہیں بنائے جا سکتے تھے۔ پس نیکی کا گواہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خود نیک ہو۔ پس حواریوں نے دیکھئے کیسی پر حکمت دعا کی ہے۔ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ تو ہمارا گواہ بن جا کیونکہ تو ہی

یہ اہلیت رکھتا ہے کہ جو بات کہتا ہے وہی کرتا ہے۔جس نیکی کی تعلیم دیتا ہے اس پر عمل پیرا ہے، ہمارا گواہ بن جا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور پھر خدا سے عرض کی کہ اے خدا! ہمیں بھی گواہوں میں لکھ لے۔ہم تیرے حضور اس قابل بنیں کہ لوگوں کو نہ صرف نیکی کی تعلیم دیں بلکہ اس تعلیم پر خود عمل کرنے والے ہوں یہاں تک کہ تیرے نزدیک ہم شاہدین میں لکھے جائیں۔بہت بڑا مرتبہ ہے جو طلب کیا گیا ہے یعنی تیرے حضور انبیاء کے ان ساتھیوں میں لکھے جائیں جن کو قوموں کی نگرانی پر مامور کیا جاتا ہے۔پس نیک اعمال کی اور اخلاص کی دعا اس دعا کے اندر شامل ہوگئی اور بہت ہی جامع و مانع دعا ہے۔

پھر بہت سے انبیاء کی دعا قرآن کریم نے یوں بیان فرمائی کہ مختلف انبیاء مختلف مصائب میں مبتلا ہو کر یہ دعا کیا کرتے تھے جن کا ذکر یوں فرمایا: وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ أَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران:۱۴۷) وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ آگے دعا شروع ہوگی۔وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ کتنے ہی خدا کے نبی ایسے ہیں۔ قُتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ جن کے ساتھ بہت سے خدا والوں نے مل کر جہاد کیا فَمَا وَهَنُوْا وہ کمزور نہیں پڑے لِمَآ أَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔اس وجہ سے کہ ان کو اس راہ میں یعنی اللہ کی راہ میں مصیبتیں پڑیں۔وَمَا ضَعُفُوْا اور یہ بھی کمزوری کے اظہار کا ایک مزید لفظ ہے۔ضَعُفُوْا کمزور پڑ جانا۔بوڑھے ہو جانا تھک جانا وَمَا اسْتَكَانُوْا اور ایسے حال میں نہیں پہنچے کہ وہ ذلیل اور رسوا ہو چکے ہوں اور ہمت ہار بیٹھے ہوں۔تو باوجود شدید مشکلات کے لمبی مشکلوں کی راہ پر چلنے کے ان میں کوئی کمزوری نہیں آئی کوئی بیزاری پیدا نہیں ہوئی کوئی تھکن پیدا نہیں ہوئی اور مشکلات نے اعصاب کو مضمحل نہیں کر دیا اور دنیا کی نظر میں ان لوگوں میں وہ شمار نہیں ہوئے جو تھک ہار کر ذلیل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

یہ کیسے ہوا؟ اس لئے ہوا کہ وہ ایک دعا کیا کرتے تھے وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوْا اس کے سوا ان کی دعا اور کچھ نہ تھی کہ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے۔وَ إِسْرَافَنَا فِيْٓ أَمْرِنَا اور اپنے نفس پر ہم جو زیادتیاں کرتے رہتے ہیں ان

سے صرف نظر فرما۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمارے اقدام میں استحکام بخش اور ہمیں متزلزل نہ ہونے دے ۔ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران:۱۴۸) اور ہمیں کافروں کی قوم پر نصرت عطا فرما۔

پس یہ جو دعائیں بتائی گئیں کہ یہ دعائیں کیا کرتے تھے ان دعاؤں کو اس مضمون پر چسپاں کر کے دیکھیں جو پہلے گزر گیا کہ ان میں یہ بات بھی پیدا نہیں ہوئی، یہ بات بھی پیدا نہیں ہوئی، یہ بات بھی پیدا نہیں ہوئی، یہ بات بھی پیدا نہیں ہوئی تو در حقیقت ان سب باتوں کا جواب اس دعا میں ہے۔ اس دعا کے جتنے ٹکڑے ہیں ان کا ان باتوں سے تعلق ہے جن باتوں سے وہ بچے رہے اور جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات بخشی اور وہ اس دعا ہی کا نتیجہ تھا۔ پس اگر آج بھی مومن اس راہ کو طلب کر رہے ہیں تو اس راہ کی صفات کو اختیار کرنا پڑے گا اور دعاؤں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ثبات قدم کی التجائیں کرنی ہوں گی۔

پھر قرآن کریم میں لِّاُولِی الْاَلْبَابِ کی دعا بتائی گئی ہے یعنی عقل والوں کی دعا۔ جن کا دماغ روشن ہوتا ہے جن کا نور بصیرت تیز ہوتا ہے۔ فرمایا: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (آل عمران:۱۹۱)

دیکھو! آسمان اور زمین کی پیدائش میں رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں یقیناً لِّاُولِی الْاَلْبَابِ کے لئے صاحب عقل لوگوں کے لئے نشانات ہیں۔ صاحب عقل لوگ کیا کرتے ہیں؟ صاحب عقل وہ لوگ ہیں۔ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا جو اللہ کو کھڑے ہو کر بھی، بیٹھ کر بھی یاد کرتے ہیں۔ وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ اور رات کو لیٹے ہوئے یا دن کو لیٹے ہوئے بھی۔ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور ہمیشہ زمین و آسمان کی پیدائش پر فکر کرتے رہتے ہیں اور غور کرتے رہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ کیا پیدا کیا؟ اس میں کیا حکمتیں ہیں؟ اس کی تخلیق میں کیا لطائف پوشیدہ ہیں؟ یہ غور کرنے کے بعد ان کے دل سے بے ساختہ یہ دعا نکلتی ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کہ اے ہمارے رب! جو کچھ بھی تو نے پیدا کیا ہے حکمتوں سے بھرا ہوا ہے باطل نہیں ہے۔ بے مقصد نہیں ہے کیونکہ اتنا اعلیٰ انتظام جو ایسا مربوط ہو اور ایسا گہری حکمتوں پر مبنی ہو وہ عبث نہیں ہو سکتا، بے کار نہیں بنایا جا سکتا ضرور

اس کا کوئی مقصد ہے اور اگر ہم اس مقصد کو پورا کرنے والے نہ بنیں تو جس طرح بے کار چیزیں آگ میں پھینک دی جاتی ہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہم بھی آگ کا ایندھن نہ بن جائیں تو ان سب باتوں پر مشتمل یہ دعا ہے اگرچہ الفاظ تھوڑے ہیں۔ عرض کرتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ تیری شان بلند ہے، تو سبحان ہے، تو پاک ہے ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

پس سوال یہ ہے کہ اچانک زمین و آسمان پر غور کرنے کے بعد آگ کے عذاب کا کیا ذکر چل پڑا۔ وہ میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ وہ ذکر اس مضمون میں مخفی ہے، اس کے اندر یہ ذکر موجود ہے اگرچہ ظاہری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا۔ مراد یہی ہے کہ جب وہ یہ مضمون پا جاتے ہیں کہ اتنی عظیم الشان کائنات جو اتنی لطافتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنائی گئی ہے اور ارب ہا ارب سال جس کی تخلیق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں لگے یہ بے معنی اور بے کار نہیں ہو سکتی۔ ایک انسان ایک گلی ڈنڈا بھی بنائے تو اس کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ بچے کوئی معمولی سا کھلونا بھی گھڑ لیں یا مٹی سے بنالیں تو اس کا بھی ایک مقصد ہوا کرتا ہے۔ جب وہ مقصد پورا نہ ہو تو پھر اسے یا تو ردی میں پھینک دیا جاتا ہے یا آگ میں جلا دیا جاتا ہے۔ ہر پرزہ جس مقصد کے لئے بنایا جاتا ہے اس مقصد کو جب وہ پورا کرنا چھوڑ دے تو Junk میں چلا جاتا ہے۔ پرانی کاریں آپ نے دیکھی ہوں گی کہ وہ ایسی جگہوں پر بھجوا دی جاتی ہیں جہاں بڑی بڑی مشینیں ان کو چڑ مڑ کر کے محض لوہے کا ڈھیر بنا دینے پر لگی رہتی ہیں اور آناً فاناً ان کاروں کے حلیے بگڑ جاتے ہیں اور وہ محض لوہے کے ٹکڑے باقی رہ جاتے ہیں۔ مقصد کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ ہر وہ چیز باقی رہے جو مفید ہے جو ان مقاصد کے مطابق ہے جن مقاصد کے لئے اسے پیدا کیا گیا اور ہر وہ چیز رد کر دی جائے اور اسے کالعدم کر دیا جائے جو مقاصد کو ادا کرنے سے عاری ہو گئی ہو کیونکہ اس کے رہنے کا اب کوئی جواز نہیں رہا۔ ان کے لئے آگ بنائی گئی ہے۔ آگ ان لوگوں کو ختم کرنے کے لئے بنائی گئی ہے جو مقصد کو پورا نہیں کر سکے۔ اس لئے یہ بڑی پرحکمت دعا ہے دیکھئے ان لوگوں کو لِّاُولِی الْاَلْبَابِ کہنا یہاں کیسا سجتا ہے کہ غور و فکر کے بعد لمبی باتوں کی بجائے سیدھی نکتے کی بات کہی۔ آخری مقصد کی بات بیان کر گئے کہ اے خدا! ہم نے بہت غور کر لیا ہے۔ اب ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ اگر ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہ کیا تو ہم آگ کا ایندھن بنائے جانے کے لائق ہوں گے۔ پس ہم تجھ سے یہ عرض کرتے ہیں کہ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ

تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ اے خدا! جسے تو آگ میں داخل کردے یا داخل کردے گا تو اسے تو ذلیل ورسوا کردے گا وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ یہ بھی کیسی پر حکمت دعا ہے اور دیکھیں ان کے لئے لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ کہلانا کیسا زیب دیتا ہے کیونکہ یہ کہنے کے بعد کہ جسے تو آگ میں داخل کرے یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ اللہ گویا نعوذ باللہ لوگوں کو زبردستی آگ میں داخل کرتا پھرتا ہے۔ اس شبے کا ازالہ اس دعا کے آخری ٹکڑے نے کر دیا اور وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ اے خدا! جن کو تو آگ میں داخل کرے گا وہ ظالم ہوں گے۔ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوں گے اور جو ظلم کرنے والے ہیں ان کی مدد نہیں کی جاتی۔ اس لئے تو ان کی مدد نہیں کرے گا۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ پھر یہ دعا آئی: رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ کہ اے خدا! ہم نے اس منادی کی آواز کو سنا جو یہ پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ پس ہم نے اس پکار کو سنا اور ایمان لے آئے اس ایمان لانے کے نتیجے میں کیا طلب کیا جاتا ہے۔ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ یہ عرض کرتے ہیں: رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا اے خدا! پہلا مطالبہ تو ہمارا یہ ہے کہ اب جب ہمیں نئی زندگی عطا کی گئی نئے دور میں ہم داخل ہو رہے ہیں تو ہمارے پرانے گناہوں کا شمار نہ کیا جائے۔ Clean slate یعنی بالکل صاف تختی کے ساتھ ہم دوبارہ زندگی کا ایک نیا سفر شروع کریں لیکن یہ کہنا بھی کافی نہیں کیونکہ زندگی کے اندر بہت سی برائیاں اس طرح داخل ہو جاتی ہیں جیسے فطرت ثانیہ بن گئی ہوں اور محض ایمان لانے کے نتیجے میں وہ بیماریاں از خود جھڑ نہیں جایا کرتیں۔

پرانے گناہ تو بخشے گئے لیکن بدعادتیں جو زندگی کا حصہ بن چکی ہیں وہ کیسے چھٹیں گی اور ان کے نتیجے میں جو نئے گناہ پیدا ہوتے رہیں گے ان کا کیا بنے گا تو دیکھئے صاحب عقل لوگ کیسی اچھی دعا کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں: وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا پہلے کی بخشش اور آئندہ ہم سے ہماری وہ برائیاں دور کرنا شروع فرمادے جو برائیاں ہمارے ساتھ لاحق ہو چکی ہیں، بیماریوں کی طرح ہمیں چمٹ گئی ہیں۔ جن کو دور کرنا ہماری طاقت میں نہیں ہے۔

پس ایمان لانے کے ساتھ ہی سب برائیاں دور نہیں ہو جایا کرتیں اور یہ خصوصاً ان مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے جو دنیا میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں۔ محض تبلیغ کے ذریعے کسی کو مسلمان بنالینا

اور یہ سمجھ لینا کہ فرض ادا ہو گیا ہرگز کافی نہیں کیونکہ بہت سے ایسے ایمان لانے والے ہوں گے جو سچے دل سے توبہ بھی کر چکے ہوں گے لیکن اپنی بہت سی بدیاں ساتھ لے کر آئیں گے جن سے چھٹکارا پانا ان کے بس میں نہیں۔ اگر ان کی طرف توجہ نہ کی گئی، اگر تبلیغ کرنے والا ان سے مستقل تعلق رکھ کے ان کی برائیاں دور کرنے میں ان کی مدد نہیں کرتا تو ایسے ہی ہوگا جیسے بعض بچے وبائی امراض کا شکار ہوتے ہیں اور مائیں ان کو جگہ جگہ لئے پھرتی ہیں، اتنا نہیں سوچتیں کہ مجالس میں لے کے جائیں گی تو اور بھی بیماریاں پھیلائیں گی، کئی مائیں میرے پاس بھی لے آتی ہیں جب میں پیار کر چکتا ہوں تو بتاتی ہیں کہ اس کو تو فلاں وبائی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے وہ الگ بات ہے لیکن جو مضمون ہے اس کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے۔ قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ اقرار کرتے ہیں کہ محض ایمان لانے کے نتیجے میں ہم پاک وصاف نہیں ہو گئے، ہمارے گناہ بخشے بھی جا چکے ہوں تب بھی ہمارے اندر برائیاں موجود رہیں گی اور تیری مدد کے سوا وہ برائیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ پس مومنوں کو نو مبایعین کی فکر کرنی چاہئے اور ان کے ساتھ لگ کر ان کی کمزوریاں دور کرنے میں ان کی مدد کرنی چاہئے ورنہ اسی طرح کھلے چھوڑ دیئے گئے تو باقی جماعت میں بھی وہ اپنی بیماریاں پھیلاتے رہیں گے۔ دعا کا اگلا حصہ اسے مکمل کر دیتا ہے پھر وہ عرض کرتے ہیں وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ اگر ہماری دعا قبول ہوگئی تو اب برائیاں تو تو دور کر دے گا لیکن پتا نہیں کتنا وقت لگتا ہے۔ بعض بیماریاں عمر کا ساتھ دیئے ہوئے ہوتی ہیں، لمبے عرصے سے چمٹی ہوئی ہوتی ہیں اور پتا نہیں کتنی عمر باقی ہے۔ اتنے عرصے میں وہ مٹ بھی سکیں گی کہ نہیں۔ موت کا کوئی وقت معین نہیں۔ تو دیکھیں لِّأُولِي الْأَلْبَابِ نے کیسی عقل والی دعا کی وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ اے خدا! مارنا نہ جب تک نیکوں میں شمار نہ ہو چکے ہوں۔ تیری مرضی ہے جلد صحت دے یا دیر سے صحت دے۔ مقصد یہ ہے کہ جب تک صحت نہ پا چکے ہوں ہمیں واپس نہ بلانا۔ آخری سانس اس حالت میں لے رہے ہوں کہ تو کہہ رہا ہو کہ تم ابرار میں داخل ہو گئے ہو کیسی پیاری دعا ہے اور لِّأُولِي الْأَلْبَابِ واقعی ایسی دعائیں کیا کرتے ہیں اور ایسی دعاؤں کی درخواستیں بھی کیا کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاہور میں ایک صحابیہ ہیں جو یہاں ہماری جماعت کی بڑی مخلص رکن آمنہ صدیقہ کی والدہ ہیں بہت بڑی عمر ہو چکی ہے۔ غالباً 90 اور 100 کے

درمیان ہے لیکن ماشاء اللہ ہوش وحواس خوب قائم ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کی باتیں یاد ان کا ابھی رمضان میں مجھے پیغام ملا، اس پر مجھے یہ آیت یاد آئی۔ میں نے کہا دیکھیں خدا نے کس طرح اپنے پیارے بندوں کی باتیں قرآن کریم میں محفوظ کر دی ہیں۔ ان کی بھی جو پہلے گزر چکے تھے ان کی بھی جو بعد میں آنے والے تھے، انہوں نے کہا کہ میرے لئے صرف یہ دعا کیا کریں کہ خدا مجھے اس حالت میں واپس بلائے جب مجھ سے راضی ہو چکا ہو۔ پس وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ کی دعا صاحب عقل لوگوں کی دعا ہے، وہ جانتے ہیں کہ برائیوں کا زندگی کا ساتھ ہوتا ہے بعض دفعہ گر بھی جائیں تو دوبارہ بھی آجاتی ہیں۔ آخری فیصلہ اس وقت ہوگا جب انسان واپس جا رہا ہوگا۔ اس وقت اگر خدا کی رضا کی نگاہیں پڑ رہی ہوں۔ اگر اس کے نزدیک اس وقت انسان نیکوں میں شمار ہو چکا ہو تو زندگی کا مقصد پورا ہو گیا اور پھر انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ میں باطل میں نہیں ہوں۔ ان لوگوں میں نہیں ہوں جو باطل میں شمار کئے جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ابھی ایک دعا جاری ہے ابھی اپنی ذات کے لئے سب کچھ مانگا گیا مگر اس دین کے لئے ابھی کچھ نہیں مانگا جس دین کے نتیجے میں ان کی اصلاح کا سلسلہ شروع ہوا چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کے تصور کے ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اے خدا! ہم نے یہ پیغام دوسروں کو بھی تو پہنچانا ہے اور تیرے جو وعدے ہمارے متعلق پہلے نبیوں سے کئے گئے ہیں کہ ہم دنیا میں اس طرح اصلاح احوال کریں گے اور لوگوں کے حالات میں پاک تبدیلیاں پیدا کریں گے۔ وہ وعدے اگر پورے نہ ہوئے تو قیامت کے دن پھر بھی ہمارے لئے شرمندگی ہے یعنی ایک انسان اپنی ذات میں اگر نیک بھی بن چکا ہو اور اس کا بظاہر نیک انجام بھی ہو، وہ اگر دوسرے بنی نوع انسان کے متعلق اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتا تو وہ اپنے آپ کو کامیاب نہیں سمجھتا۔ یہ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ کی تعریف کی جارہی ہے۔ چنانچہ یہ دعا بھی ساتھ بتادی کہ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ اے خدا! وہ سارے وعدے ہمارے حق میں پورے فرمادے جو تو نے پہلے رسولوں کو دیئے تھے کہ ہم آنیوالوں کے ساتھ یہ یہ سلوک فرمائیں گے۔ اب یہ کیا مطلب ہے کہ وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ دراصل یہاں یہ بات کھل گئی کہ یہ ساری دعا جو لِّاُولِی الْاَلْبَابِ کی دعا ہے یہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلاموں کی دعا ہے اور یہ جو باتیں ہو رہی ہیں یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کی ہی باتیں ہو رہی ہیں کیونکہ یہ آپ کی ہی ایک

امت ہے۔ جس کے متعلق گزشتہ تمام انبیاء نے خوشخبریاں دی تھیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمام دنیا میں ہر دوسرے دین پر غالب فرمائے گا۔ تو وہ عرض کرتے ہیں کہ: رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ تو نے گزشتہ تمام انبیاء کے ہاتھوں ہمیں جو خوشخبریاں بھیجی تھیں اور وعدے کئے تھے کہ میں امت محمدیہ سے یہ یہ سلوک کروں گا وہ ہمارے حق میں پورے فرمادے۔ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن ہمیں ذلیل ورسوانہ ہونے دینا کہ وہ وعدے جو ہمارے ساتھ وابستہ تھے وہ پورے نہیں ہوئے۔ اب اگر وعدے پورے نہیں ہوئے تو بظاہر یہ خیال جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدے پورے نہیں کئے حالانکہ خدا تو وعدے پورا کرتا ہے۔ پس اس دعا کا آخری حصہ یہ ہے کہ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران: ۱۹۵) جہاں تک وعدوں کا تعلق ہے۔ تو یقیناً وعدہ خلافی کرنیوالوں میں سے نہیں، تو لازماً اپنے وعدے پورے کرتا ہے۔ پس جب ہم یہ التجا کرتے ہیں کہ یہ وعدے ہمارے حق میں پورے فرما تو مطلب ہے کہ ہمیں ان وعدوں کا مستحق بنادے کیونکہ اگر ہم مستحق نہ رہے تو پھر یہ وعدے پورے نہیں ہوں گے لیکن قصور تیرا نہیں ہوگا، قصور ہمارا ہوگا۔ تو اس طرح قرآن کریم ان لوگوں کی راہوں کو ہم پر آسان بنادیتا ہے جن کی راہیں ان کی دعاؤں کے نتیجے میں ان پر آسان بنائی گئیں اور ہمیں نصیحت فرماتا ہے کہ اس طرح یہ دعائیں کرتے کرتے اس سفر میں آگے بڑھو۔

پھر اللہ تعالیٰ کمزور عورتوں، مردوں اور بچوں کی دعا کو بھی قرآن میں محفوظ فرماتا ہے۔ ایسی عجیب کتاب ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو خالی نہیں چھوڑتی۔ مختلف حالتوں کی دعائیں اس میں محفوظ ہیں۔ اگر آپ غور سے ان کا مطالعہ کریں تو زندگی کے ہر امکان پر یہ دعائیں حاوی ہیں اور زندگی کے ہر احتمال پر بھی یہ دعائیں حاوی ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی راہ میں جنگ نہیں کرتے ہو جو یہ کہتے ہیں۔ (یہ آیت کے پہلے حصے کا ترجمہ ہے) کہ ان لوگوں کی خاطر تم کیوں جہاد نہیں کر رہے جو مظلوم ہیں اور جو مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں اور یہ دعائیں کر رہے ہیں کہ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا کہ اے اللہ! ہمیں اس بستی سے نجات بخش جس بستی کے رہنے والے ظالم ہو چکے ہیں وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ہمارے لئے اپنی جناب سے کوئی دوست بنا کر بھیج دے

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء: ۷۶) اور اپنی ہی جناب سے ہمارے لئے کوئی مددگار بھیج دے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک دعا ہے جبکہ ان کی قوم نے ان کے ساتھ بے وفائی کی اور اللہ تعالیٰ کے واضح ارشاد کو سننے کے باوجود اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسے وقت میں جبکہ خدا تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک شہر میں داخل ہو جائیں جس کی فتح ان کے لئے مقدر کی گئی تھی تو اس موقع پر انہوں نے کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدہ: ۲۵) کہ اے موسیٰ! جا تو اور تیرا رب دونوں لڑتے پھرو ہم تو یہاں بیٹھ رہنے والے ہیں۔ جب تم دونوں، تم اور تمہارا رب لڑ کے شہر فتح کر لو گے تو پھر ہمیں بتا دینا ہم بھی داخل ہو جائیں گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ عرض کیا: رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ (المائدہ: ۲۶) اے میرے رب! میرا کمزوری کا یہ حال ہے کہ میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی کو اپنے ساتھ نہیں پاتا۔ سب میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ اس دعا میں بھی بڑی گہری حکمت ہے۔ جواب دینے والوں نے موسیٰؑ سے یہ کہا تھا کہ تو اور تیرا خدا لڑتے پھرو۔ دو کا ذکر کیا تھا۔ خدا تو ساری کائنات کا خدا ہے اور مالک ہے۔ اس نے کسی سے کیا لڑنا ہے جب وہ کسی کی ہلاکت کا فیصلہ کرے گا تو وہ ان کو ہلاک کر دے گا لیکن دو لڑنے والے ضرور تھے ایک موسیٰؑ تھے اور ایک ان کے بھائی تھے۔ ان کے اس جواب سے یہ شبہ پڑ سکتا تھا کہ موسیٰ ہی صرف وفادار رہا اور موسیٰؑ کا بھائی بھی ان لوگوں میں شامل ہو چکا ہے۔ اس شبہ کے ازالے کی خاطر حضرت موسیٰؑ کی دعا من وعن ہمارے سامنے رکھ دی گئی کہ دیکھو موسیٰؑ اکیلا ہی وفادار نہیں تھا اس کا بھائی بھی وفادار تھا۔ اگرچہ قوم نے اس کا ذکر نہیں کیا تو دعا یہ بتائی کہ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ اے خدا! میں اکیلا ہی تیری راہ میں چلنے والا وفادار نہیں ہوں بلکہ میرا بھائی بھی میرے ساتھ شامل ہے لیکن ہم صرف دو ہی ہیں۔ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (المائدہ: ۲۶) ہمارے اور فاسقوں کی قوم کے درمیان تفریق کر دے۔ ایسا سلوک فرما کہ ظاہر ہو جائے کہ ہم تیرے پسندیدہ لوگ ہیں، تیری رضا کو حاصل کرنے والے لوگ ہیں اور وہ لوگ نہیں جن سے تو ناراض ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ایک دعا یہ سکھائی گئی رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران:۵۴) اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ پس ہمیں بھی شہداء میں شمار کرلے، شاہدین میں شمار کرلے۔ اس سے وہ پہلی دعا یاد آجاتی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب میں ان لوگوں نے کی تھی جو اپنے آپ کو انصار الی اللہ کہتے تھے اس میں یہ ذکر تھا اے خدا! ہمیں شاہدوں میں شمار کرلے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کا عجیب کرشمہ ہے کہ یہ دعا وہاں سکھائی گئی جہاں پہلے عیسائیوں کی تعریف کی گئی ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ نصاریٰ میں سے آج بھی ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ خدا کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی محبت سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ پس چونکہ ان کی خوبیوں کا ذکر چل رہا تھا اس لئے ان کی وہ بہترین دعا یہاں مومنوں کو یاد کرادی گئی جس کے نتیجے میں ان کی نیکیوں کو اتنا دوام ہوا کہ بعض ان میں سے آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد بھی اپنی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے بھی نیک ہوئے اور خدا کے نزدیک نیک ٹھہرے۔ پس فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کی دعا ان عیسائیوں کے ساتھ جنہوں نے ابتداء میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قبول کیا ایک گہرا تعلق رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ کو یہ دعا منظور ہے تبھی امت محمدیہ کے سلسلے میں بھی اس دعا کو دہرایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام بھی یہی دعا کرتے ہیں۔

ایک دعا مائدہ سے متعلق ہے وہ بھی تشریح طلب ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دنیا کی محبت اپنے حواریوں کے دلوں پر سرد کردی اور وہ یوں لگتا تھا کہ کشکول ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تبلیغ کے لئے نکل گئے ہیں۔ سارے کام چھوڑ دیئے اور کوئی ذریعہ معاش باقی نہیں رہا تو اس وقت انہوں نے دنیا کی مشکلات سے گھبرا کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ عرض کیا کہ آپ خدا کے حضور یہ دعا کریں کہ وہ آسمان سے ہم پر مائدہ اتارے کیونکہ ہم اب ''کمائی جوگے'' رہے نہیں ہم تو خالصۃً اس دین کے لئے وقف ہو گئے ہیں اس لئے ہمارے رزق کا وہی انتظام کرے اور آسمان سے مائدہ اتارے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دعا کی وہ اولین کے لئے بھی اور آخرین کے لئے بھی کی۔ وہ دعا یہ ہے: قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (المائدہ:۱۱۵) کہ اے ہمارے خدا! ہم پر آسمان سے نعمتوں کا

دسترخوان نازل فرما نعمتیں نازل فرما، ایسی نعمتیں جو ہمارے اولین کے لئے بھی عید ہو جائیں اور آخرین کے لئے بھی عید ہو جائیں یعنی دونوں کے لئے خوشیوں کے سامان لائیں۔ وَاٰيَةً مِّنْكَ اور وہ تیری طرف سے ایک نشان بن جائیں وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ تو ہمارے رزق کا انتظام فرما اور تو بہترین رزق عطا کرنیوالا ہے۔ اس دعا کے ساتھ یہ احتیاط ضروری ہے کہ اس دعا کے بعد خدا تعالیٰ نے جو تنبیہہ فرمائی ہے اس کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ یہ دعا سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری یہ دعا قبول کروں گا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان لوگوں نے اگر ناشکری کی تو ان کو عذاب بھی ایسا دوں گا جو دنیا میں کبھی کسی کو نہ دیا گیا ہو اور دنیا کے لئے عبرت کا نشان بنا دوں گا۔ اب اس شرط کے ساتھ رزق عطا کرنا یہ عجیب سا لگتا ہے آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ غور طلب بات ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ رحیم وکریم، رزاق، دیالو، بے انتہاء سخی اور رحم کرنے والا اور اپنے نبی کی یہ دعا سنتا ہے کہ ہاں! میں ان کے لئے آسمان سے رزق اتاروں گا اور ساتھ ہی اتنی بڑی تنبیہہ کر دیتا ہے کہ اگر یہ ناشکرے ہوئے تو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کبھی کسی کو نہ دیا گیا ہو۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کو جب آپ سمجھ لیں گے تو پھر اس دعا کو متوازن طور پر خدا کے حضور عرض کرنے کی توفیق پائیں گے ورنہ اس کا غلط مطلب سمجھ کر آپ دعا مانگتے رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مائدہ سے دراصل روحانی مائدہ مراد لیا تھا اور رزق کی دعا بھی مانگی ہے لیکن ضمنی طور پر چنانچہ آپ دوبارہ اس دعا کو پڑھیں۔ فرمایا ہمارے لئے آسمان سے مائدہ اتار جو ہمارے اولین اور آخرین کے لئے عید ہو وَارْزُقْنَا اور ہمیں رزق دے۔ پس دعا کی درخواست کرنے والے جو لوگ تھے ان کے ذہن میں روحانی مائدہ نہیں تھا بلکہ دنیاوی مائدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول کرتے ہوئے متوجہ کیا کہ اصل روحانی مائدہ ہے۔ اگر تم نے روحانی مائدہ سے فائدہ نہ اٹھایا اور دنیاوی رزق میں پڑ گئے تو لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بنو گے۔ دنیا تمہاری مادی ترقی دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ حضرت عیسیٰؑ نے جو دعا مانگی تھی اس کے نتیجے میں تمہیں سب کچھ حاصل ہو گیا اور تمہاری پیروی کو فخر سمجھے گی اور اسی کو ذریعہ نجات سمجھے گی، دنیا یہ سمجھے گی کہ ایسی قومیں جن پر خدا نے اتنی نعمتیں کی ہوں کہ ساری دنیا سے زیادہ ان پر رزق فراخ کر دیا ہو۔ وہ تمام دنیا کی دولتوں کے مالک بن بیٹھے ہوں وہ اچھے لوگ ہیں تبھی تو خدا تعالیٰ ان کو عطا کر رہا ہے تو یہ فرمایا کہ ضروری نہیں ہے کہ یہ ظاہری رزق پانے

کے بعد بھی خدا کی نظر میں وہ اچھے لکھے جائیں۔ تیری دعا کی خاطر ہم ان کو رزق تو دے دیں گے لیکن اگر روحانی مائدہ کے بغیر انہوں نے رزق پر قناعت کی اور رزق کے عاشق ہو گئے اور اسی کے ساتھ دل لگا بیٹھے تو چونکہ دنیا کے لئے ٹھوکر کا ذریعہ بن سکتے ہیں اس لئے ہم پر فرض ہوگا کہ ہم آخر ان کو ہلاک کر دیں تا کہ دنیا یہ سمجھ لے کہ محض ظاہری رزق عطا کرنا انعام نہیں ہے۔ انعام اور چیز ہے اور ظاہری رزق میں فراخی دینا اور چیز ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا عظیم الشان رزق یعنی مادی رزق بھی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اتنی ہی بڑی تنبیہ کر دی کہ اس رزق کا حق ادا کرنا ورنہ تم صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جاؤ گے اور ایک عبرتناک عذاب کے ذریعے مٹائے جاؤ گے یہ دعا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا تھی جو اولین کے علاوہ آخرین کے متعلق خصوصیت سے مانگی گئی تھی۔ آخرین میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے آج کے دور کے عیسائی ہیں اور آپ دیکھ لیجئے کہ خدا نے کس شان سے اس دعا کے ظاہر کو پورا فرمایا ہوا ہے۔ اتنا رزق وسیع کیا ہے کہ باقی ساری دنیا ان کے مقابل پر بھکاری بنی ہوئی ہے کچھ بھی ان کے پلے نہیں۔ ساری دنیا کے یہ رازق بنے ہوئے ہیں جس کو چاہیں اس کو رزق دیتے ہیں جس سے چاہیں اس سے چھین لیتے ہیں لیکن چونکہ اس شرط کو پورا نہیں کیا جو روحانی مائدہ سے تعلق رکھتی تھی اس لئے دنیا کے لئے ٹھوکر کا موجب بھی بن گئے ہیں۔ بہت سے غریب ممالک، مسلمان بھی اور ہندو بھی اور بدھسٹ بھی اس لئے عیسائی ہو رہے ہیں کہ وہ کہتے ہیں دیکھو خدا نے ان سے حسن سلوک فرمایا، ان پر فضل فرمائے، یہ ٹھیک ہی ہوں گے تو خدا تعالیٰ ایسا کر رہا ہے پس قرآن کریم کی دوسری آیت میں جو تنبیہ مضمر تھی وہ تنبیہ ہم اپنے سامنے ظاہراً پوری ہوتی ہوئی دیکھ رہے ہیں۔ پس اس لئے یہ لازم ہے کہ یہ قومیں اگر اصلاح نہیں کریں گی اور خدا تعالیٰ کے روحانی رزق کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی اور دین کی طرف، سچے دین کی طرف واپس نہیں لوٹیں گی تو یہ عبرت کا نشان بن جائیں گی اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

انگلستان کے دل میں لندن میں کھڑے ہو کر میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ یہ سو فیصدی سچی باتیں ہیں۔ کوئی دنیا کی طاقت ان کو ٹال نہیں سکتی۔ دو ہزار سال پہلے کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس طرح عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو اتنا بڑا رزق عطا کیا جائے گا اور اتنا وسیع دستر خوان ان کے لئے اتارا جائے گا۔ چودہ سو سال پہلے جب قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کوئی وہم و گمان بھی نہیں

کرسکتا تھا کہ عیسائی آخر دنیا میں کس طرح حاوی ہو جائیں گے اور رزق کے تمام ذرائع پر کس طرح وہ قابض ہو کر بیٹھ جائیں گے کیونکہ اس آیت میں موجود ہے کہ جب عیسیٰؑ نے آخر ان کے لئے یہ دعا مانگی تو خدا نے فرمایا ہاں! میں قبول کروں گا لیکن جو لوگ دنیاوی رزق پر راضی ہو جائیں گے اور روحانیت کی طرف سے آنکھیں پھیرلیں گے ان کو پھر میں عذاب کا نشانہ بناؤں گا۔

پس یہ جو دوسرا حصہ ہے اس نے لازماً پورا ہونا ہے صرف ایک شرط ہے کہ یہ قومیں توبہ کریں اور ان آخرین میں شامل ہو جائیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے آخرین ہیں کیونکہ ایک وہ آخرین ہیں جن کا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق یہ مضمون بیان ہوا جو اس آیت میں ہے۔ ایک وہ آخرین ہیں جن کا محمد مصطفیٰ ﷺ نے ذکر فرمایا ہے اور وہ ذکر بالکل مختلف رنگ میں ہے وہ یہ ہے کہ اسلام جس طرح آج غریب ہے یعنی غربت سے شروع ہوا اور دولت سے شروع نہیں ہوا، ایسے آخرین آنے والے ہیں کہ وہ بھی اس تاریخ کو دھرائیں گے اور اسلام دوبارہ غریبانہ حالت سے شروع ہوگا۔ پس جن آخرین کا ذکر ہے وہ دولتمند نہیں ہیں بلکہ غریب جماعت ہیں لیکن خدا کی محبت میں اور خدا کی خاطر اپنے رزق کو قربان کرتے چلے جاتے ہیں اور نیکی کی راہوں میں چندے دیتے چلے جاتے ہیں۔ پس ان امیر قوموں کے لئے اب یہی بچنے کی راہ ہے کہ مسیح موسوی کے آخرین سے نکل کر مسیح محمدی کے آخرین میں داخل ہو جائیں اور وہیں ان کے لئے نجات ہے۔

اب حضرت آدم اور ان کے ساتھی کی دعا جو کہ قرآن کریم میں یوں بیان ہوئی ہے جب کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں دھوکہ دیا تو ان دونوں نے عرض کیا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۴) اگر تو نے ہم سے بخشش کا سلوک نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم یقیناً گھاٹا پانے والوں میں ہو جائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں۔

> ”انسان ہر ایک گناہ کے لئے خواہ وہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور ناک اور کان اور آنکھ اور سب قسم کے گناہوں سے استغفار کرتا رہے۔ آج کل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہئے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۗ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (ملفوظات: جلد ۴، صفحہ ۲۷۵)

چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روحانی طبیب بنا کر بھجوایا گیا تھا اس لئے معلوم ہوتا ہے اس دعا کا اس دور کے ساتھ گہرا تعلق ہے جب میں نے غور کیا تو مجھے سمجھ آئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ایک نئے دور کا آدم قرار دیا گیا اور یہ وہ دور خسروی ہے جبکہ اسلام کو دنیا میں از سر نو زندہ بھی کیا جائے گا اور غالب بھی کیا جائے گا۔ تبھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک شعر میں اپنے آپ کو آدم قرار دیتے ہیں۔ پس اس دعا کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت سے بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ ایک نئے آدم کے دور کے ساتھ اس دعا کا تعلق ہے۔ اس نئے دور میں اس دعا کی مدد سے داخل ہوں اور یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوں کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا اگر تو نے مغفرت نہ فرمائی وَتَرْحَمْنَا اور ہم پر رحم نہ فرمایا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تو یقیناً گھاٹا پانے والوں میں سے ہوں گے اس دعا میں لفظ الْخٰسِرِيْنَ کا بھی دور آخر سے گہرا تعلق ہے کیونکہ قرآن کریم میں سورۂ عصر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ اس زمانے سے خبردار ہو جاؤ۔ اس زمانے کا خیال کرو جبکہ انسان بحیثیت مجموعی گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا انسان گھاٹا کھائے گا یعنی تمام عالم کا یہ حال ہوگا۔ تمام دنیا گھاٹا کھانے والی دنیا ہو جائے گی۔ پس ان دعاؤں کا مضمون ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اور بڑے گہرے آپس کے تعلقات ہیں جو سرسری نظر سے دکھائی نہیں دیتے لیکن جب آپ ذرا ڈوب کر ان کا مطالعہ کریں تو آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ روحانی نظام بھی بہت گہرا مربوط نظام ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ اس کا تعلق چل رہا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی جماعت کو اس دعا کی طرف متوجہ فرمایا تو یونہی نہیں کہ دل میں یہ خیال آ گیا کہ چلو یہ بھی دعا کر لیا کرو بلکہ اپنے آدم ہونے کے اعتبار سے اور قرآن کریم کی اس خبر کے اعتبار سے کہ یہ زمانہ گھاٹا کھانے والوں کا زمانہ ہے، یہ دعا جماعت احمدیہ کے لئے نہایت ہی اہم ہے اور ہماری بقا کے لئے بہت ہی ضروری ہے۔

ایک اور دعا سے پتا چلتا ہے کہ دعاؤں کا سلسلہ صرف اس زندگی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ

مرنے کے بعد بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں یہ دلچسپ دعا موجود ہے جو مرنے کے بعد اعراف پر موجود جنتی خدا سے مانگیں گے اور اس وقت وہ یہ دعا کریں گے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اعراف :۴۸) کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں میں نہ شمار کرنا اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ تو ظالموں کی دنیا سے نکل کر اپنے خدا کے حضور حاضر بھی ہو گئے۔ اور اس مقام پر فائز کئے گئے جسے قرآن کریم اعراف کا مقام بتاتا ہے۔ یعنی خدا کے منتخب چند بندے جس طرح کوئی پہاڑ کی بلند چوٹی پر کھڑا ہو اس طرح ان کو رفعتیں عطا کی جائیں گی اور وہ دور سے دکھائی دیں گے۔ نمایاں طور پر معلوم ہوگا کہ یہ خدا کے پیارے بندے ہیں۔ اس مقام پر فائز ہونے کے باوجود یہ حال ہوگا کہ عرض کریں گے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں کی قوم میں داخل نہ کرنا۔ دراصل ابھی اعراف پر فائز لوگوں کے ساتھ حساب کتاب ہونا باقی ہے۔ یہ اس دور کی بات ہو رہی ہے جبکہ حشر نشر ہو چکا ہے لیکن ابھی آخری فیصلے کا وقت آنے والا ہے مگر نیکوں کی علامتیں بھی ظاہر ہو گئی ہیں۔ بدوں اور جہنم والوں کی علامتیں بھی ظاہر ہو رہی ہیں وہ دو گروہوں میں بانٹے جا رہے ہیں تو انکسار کا تقاضا یہ ہے اور عجز کا تقاضا یہ ہے کہ اس حالت میں بھی جبکہ سامنے جنت دکھائی دے رہی ہو خدا سے یہ عرض کریں کہ جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے اگر تو ہمارے ظالم ہونے کا فیصلہ کرلے تو تیرا فیصلہ برحق ہوگا۔ ہم اپنے گناہوں اور کمزوریوں سے واقف ہیں۔ اعراف پر فائز ہونے کی وجہ سے ہمیں کوئی دھوکا نہیں لگا۔ ہم یہ نہیں سمجھ رہے کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ اس لئے جب ہم کہتے ہیں کہ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تو مراد یہ ہے کہ تیرے حضور ہم ظالموں میں شمار نہ ہوں۔ ہماری تو یہ التجا ہے کہ ظلموں کے باوجود تو ہمیں نیک لوگوں میں لکھنا اور اگر ہم بخشے جائیں تو ہم اس دھوکے میں مبتلا نہیں ہوں گے کہ اپنی نیکیوں کی وجہ سے بخشے گئے بلکہ یہ سمجھیں گے کہ ظالم ہوتے ہوئے بھی تو نے ہمیں ظالموں میں شمار نہیں فرمایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی دعا جبکہ قوم کے متکبروں نے آپ کو دھمکی دی اور وہ دھمکی یہ تھی کہ تم واپس سواد اعظم میں لوٹ آؤ۔ اکثریت قوم کی تمہیں واپس بلا رہی ہے۔ تم نے اقلیت کی ایک عجب سی نئی راہ اختیار کر لی ہے اور بہت معمولی تعداد میں ہو۔ تمہاری حیثیت کوئی نہیں۔ جب چاہیں ہم تمہیں مٹا سکتے ہیں اس لئے اب دو ہی باتیں ہیں۔ جھگڑے ختم کرو اور بحثیں ختم کرو، یا تو تم ہمارے

مذہب میں واپس لوٹ آؤ یا پھر ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے اور تمہیں اپنے وطن میں بھی رہنے کا حق نہیں رہے گا۔ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ ایک دعا تھی جو اپنے رب سے مخاطب ہو کر کی۔ قوم یہ دھمکی دے رہی تھی اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ قوم کی بات کو بھلا کر وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ
وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا (الاعراف:۹۰) اللہ کا علم ہر چیز پر وسیع ہے۔ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ہمارا توکل تو اللہ پر ہے نہ کہ کسی قوم کے سہارے پر، نہ اکثریت پر، نہ دنیاوی طاقت پر، رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ (الاعراف:۹۰) اے خدا اب اس قوم اور ہمارے درمیان تو فیصلہ فرما کیونکہ ہمیں تو اب فیصلے کی کوئی طاقت نہیں اور تو حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ اور سب فیصلہ کرنے والوں سے تیرا فیصلہ بہتر ہوا کرتا ہے۔ پس وہ قوم جو دین کی راہ میں ستائی جائے اور اسے دھمکی دی جائے کہ یا تم ہمارے اندر واپس لوٹ آؤ ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے، ان کے لئے یہ بہت ہی موزوں دعا ہے اور ان کے حالات پر اطلاق پاتی ہے۔

ملک بدر کرنے کا جو مضمون ہے اس کے متعلق یہ ذہن نشین کریں کہ ضروری نہیں ہوا کرتا کہ کسی کو وطن سے نکال کر ملک بدر کیا جائے اس کے شہری حقوق چھین کر بھی اس کو ملک بدر کیا جا سکتا ہے پس مختلف ادوار کے مختلف انداز ہوا کرتے ہیں اس جدید دور میں ملک بدر کرنے کا ایک طریق یہ ہے کہ ملک میں رکھتے ہوئے شہری حقوق سے محروم کر دیا جائے اور یہ واقعہ کوئی نیا نہیں، اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی فرعون نے اس طرح موسیٰؑ کی قوم کو ملک بدر کیا تھا کہ جسمانی طور پر باہر نکلنے نہیں دیتا تھا اور شہری حقوق سارے چھین لئے تھے۔ پس یہ ملک بدر کرنے کی ذلیل ترین صورت ہے کہ نجات حاصل کرنے کے لئے جو باہر بھاگنا چاہے اس کی راہ میں روکیں ڈالو، اس کو سزائیں دو۔ قید کرو کہ تم نکلنے کی کوشش کیوں کرتے ہو اور ملک میں رکھتے ہوئے اس کے سارے حقوق چھین لو۔ پس یہ جو فرعونی دور ہے اس کا ملک بدر کرنا سب سے زیادہ خوفناک اور تکلیف دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور اپنے تمام مظلوم بندوں کو اس قسم کے ظلموں سے نجات بخشے۔

اس وقت جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو فرعون نے نکلنے نہ دیا اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا کہ میری قوم کو نکلنے دو، ان ظلموں سے نجات بخشو، اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ اس ملک کے برابر کے شہری نہیں تو ان کو ملک چھوڑنے دو تو فرعون نے کہا میں یہ بھی نہیں کروں گا۔ جو زور لگا سکتے ہو لگاؤ اس پر بالآخر مقابلہ روحانی مقابلے تک پہنچا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے یہ کہا کہ تم جو الٰہی نشانات دکھاتے پھرتے ہو میرے نزدیک تو یہ محض دھوکا اور جادوگری ہے اس لئے کیوں نہ تمہارا تمہارے جیسوں سے مقابلہ کرا دیا جائے اور دنیا دیکھ لے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ فرعون نے یہ منادی کرائی کہ جو اس ملک کی چوٹی کے جادوگر ہیں وہ اکٹھے ہو جائیں اور لوگ بھی فلاں دن جو کہ خوشیاں منانے کا ایک دن تھا، اس دن اکٹھے ہوں کیونکہ اس دن ایک جادوگر کا دوسرے جادوگروں سے مقابلہ ہونا ہے۔ اس کی ساری تفاصیل قرآن کریم میں موجود ہیں مختصراً یہ بتاتا ہوں کہ جادوگر جب حضرت موسیٰؑ کے مقابلے کے لئے حاضر ہوئے تو فرعون نے ان سے مخاطب ہو کے کہا کہ بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ اس کے مقابل پر ہم سے کیا لو گے؟ تو انہوں نے فرعون کا قرب نہیں مانگا۔ انہوں نے فرعون سے دنیاوی انعام مانگے۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔ خدا کے نیک بندے جب خدا سے انعام مانگتے ہیں تو قرب الٰہی مانگتے ہیں۔ انبیاء سے کوئی چیز مانگتے ہیں تو ان کا قرب مانگتے ہیں۔ فرعون نے معلوم ہوتا ہے اس میں سبکی محسوس کی۔ اس نے کہا اچھا یہ انعام تو میں دوں گا ہی اور تمہیں مقرب بھی بنا لوں گا حالانکہ مقرب بننے کی کوئی التجا ہی انہوں نے نہیں کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں فرعون کی کوئی محبت نہیں تھی، فرعون کی کوئی عظمت نہیں تھی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ پھر ہدایت یافتہ بھی ہو گئے اگر فرعون یا اس کے دین سے گہری محبت ہوتی اور اس کی عظمت دلوں میں بیٹھی ہوتی تو شاید اتنی آسانی سے ہدایت نہ پاتے۔ بہرحال جب انہوں نے خدا تعالیٰ کا نشان دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے شعبدوں پر ایک عظیم الشان فتح عطا ہوئی۔ تو فرعون کی طرف متوجہ ہوئے بغیر وہ ایمان لے آئے اور اسی وقت انہوں نے یہ دعا کی رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ کہ اے خدا! اے ہمارے رب! ہم پر صبر نازل فرما۔ وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ اور ہمیں مسلمین میں وفات دینا۔

اس دعا کی وجہ یہ بنی کہ ان کے ایمان پر فرعون بہت بگڑا اور ان کو بہت دھمکیاں دیں اور یہ کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر کس طرح ایمان لے آئے ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اجازت کا کیا

سوال ہے۔ہم نے سچائی دیکھی اور ایمان لے آئے اس پر فرعون نے کہا اچھا! اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں اس قدر دردناک عذاب دوں گا کہ ایک طرف سے تمہارے بازو کاٹوں گا اور دوسری طرف سے ٹانگیں کاٹوں گا اور تمہیں ہمیشہ کے لئے ذلیل ورسوا کر کے اور بے کار کر کے پھینکوا دوں گا اور دنیا میں جو تکلیف دی جاسکتی ہے وہ تمہیں دوں گا۔اس پر انہوں نے فرعون سے کہا۔ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (طٰہٰ:۷۳) جو کچھ تو دنیا میں فیصلے کرسکتا ہے کرگزر۔جو عذاب دے سکتا ہے دے۔ہم تو سچائی کو دیکھ کر ایمان لے آئے ہیں اوران مشکل حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جوان کو نظر آرہے تھے انہوں نے یہ دعا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ کہ اے خدا! ہم پر صبر نازل فرما، تیری طرف سے جب تک صبر کی توفیق نہ ملے ہم اپنی کوشش سے صبر نہیں کرسکیں گے اور اگر ہمیں مارنا ہی ہے تو مسلمان ہونے کی حالت میں مارنا۔موت کے ڈر سے کافر ہونے کی حالت میں زندہ نہ رکھنا۔

حضرت ہارونؑ کو جب حضرت موسیٰؑ نے جانشین بنایا اوران کی قوم کا اکثر حصہ بگڑ گیا اور بچھڑا بنالیا تو حضرت موسیٰؑ واپس لوٹے۔یہ واقعہ آپ نے قرآن کریم میں بارہا پڑھا ہوگا کہ کس قدر غضب کی حالت میں تھے اور یہاں تک کہ حضرت ہارونؑ کو ذمہ دار گردانا اوران سے سختی سے جواب طلبی کی۔اس پر حضرت ہارونؑ نے اپنے بزرگ تر بھائی کو سمجھایا کہ میں تو بالکل بے قصور ہوں۔ مجھ میں تو طاقت ہی نہیں تھی کہ ان جاہلوں کو روک سکتا میں نے کوشش کی مگر انہوں نے اپنی ضد کی اور توحید سے دوبارہ شرک کی طرف مائل ہوگئے۔تب حضرت موسیٰؑ نے یہ دعا کی: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الاعراف:۱۵۲) اے میرے رب! مجھے بھی بخش دے اور میرے بھائی کو بھی بخش دے۔ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما۔

حضرت موسیٰؑ کی اس دعا میں اور پہلی دعا میں یہ فرق ہے کہ یہاں اپنا رب کہہ کر دعا کی یہ درخواست پیش کی ہے۔ پہلے ہم دونوں کے رب یا ہمارے رب کے طور پر خدا سے التجا مانگی تھی۔ یہاں چونکہ حضرت موسیٰؑ خدا کی طرف سے لوٹے تھے یعنی خدا کے ساتھ خاص لقاء کے بعد لوٹے تھے اور حضرت ہارونؑ کا معاملہ وہاں مشکوک بنا ہوا تھا کہ آپ کس حد تک ذمہ دار ہیں، کس حد تک نہیں تو آپ نے اپنے حوالے سے دعا مانگی کہ مجھے تُو تو جانتا ہے کہ میں تیری طرف سے لوٹ کے آیا ہوں۔

میں کلیۃً بری الذمہ ہوں اس لئے اے میرے رب! مجھے بھی بخش دے اور میرے بھائی کو بھی بخش دے اور ہم سے ان لوگوں سے الگ معاملہ فرما۔ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی دعائیں اپنا ایک خاص انداز رکھتی ہیں۔ جب آخر حضرت موسیٰؑ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو ایک مقررہ مقام پر جو خدا نے مقرر فرمایا تھا ساتھ لے جانے لگے تو وہاں طبعی طور پر زلزلہ آ گیا اور وہ زلزلہ اتنا شدید تھا کہ ڈر تھا کہ سب ہلاک نہ ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کی لقاء کے لئے (یعنی جس حد تک بھی ان کو لقاء نصیب ہو سکتی تھی) حضرت موسیٰؑ چنیدہ ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر جا رہے تھے اور آگے سے زلزلہ آ گیا اور وہ بھی بڑا خطرناک تو ایسے موقعہ پر حضرت موسیٰؑ نے کیا دعا کی۔ وہ دعا یہ ہے۔ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ (الاعراف:۱۵۶) کہ اے خدا! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے بھی تو ان کو ہلاک کر سکتا تھا۔ اس وقت جبکہ ایک خاص مہم پر جا رہے ہیں یہ تو ہلاکت کا وقت نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ یہ گنہگار نہیں ہیں، یہ نہیں کہ ان کو ہلاک کرنا درست نہیں ہے، پر مجھے موقعہ اچھا نہیں لگ رہا اور جہاں تک تیری قدرت کا تعلق ہے۔ وَاِيَّايَ تو چاہتا تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا کیا تو ہمیں اب اس وجہ سے ہلاک کرے گا کہ ہمارے بعض بے وقوفوں نے شرک اختیار کیا؟ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ یہ نہیں میں مان سکتا۔ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ کا یہ مطلب ہے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ صرف آزمائش ہے۔ ڈراوا ہی ڈراوا ہے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تو ایسی بات کرے تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اس طرح کی آزمائشوں کے ذریعے تو جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔ مراد ہدایت عطا کرنا ہے اور جن کمزوروں کو چاہتا ہے ان کو ننگا کر دیتا ہے اور ان سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔ اَنْتَ وَلِيُّنَا لیکن اے خدا! یاد رکھنا کہ ہمارا ولی تو ہی ہے۔ تیرے سوا اور کوئی نہیں۔ تیرے سوا ہم کسی سے مدد نہیں مانگ سکتے نہ کسی اور دروازے کو کھٹکھٹائیں گے۔ فَاغْفِرْ لَنَا پس ہمیں بخش دے۔ وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ (الاعراف:۱۵۶) تو سب بخشنے والوں سے بڑھ کر اور سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (الاعراف:۱۵۷) اے خدا! اس دنیا میں بھی ہمارے

لئے حسنات لکھ لے۔اچھی چیزیں لکھ لے۔ حَسَنَةً اس دنیا میں بھی ہمارا مقدر بنا دے۔ وَّفِي الْاٰخِرَةِ اور آخرت میں بھی۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ کیسی پیاری دعا ہے۔ کہتے ہیں ہم تو اب تیری طرف آہی گئے ہیں، لمبا سفر کر کے تیرے حضور حاضر ہو گئے ہیں اب تو واپسی کا کوئی رستہ نہیں رہا، اب تو خیر لے کر ہی واپس لوٹیں گے۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ہم تیرے پاس آ گئے اب ہم سے یہ سلوک نہ کرنا کہ دشمنوں میں ہماری ہزیمت ہو اور جگ ہنسائی بنے۔

پس انبیاء کی دعاؤں پر غور کریں اور دیکھیں یہ انعام یافتہ لوگ تھے۔ کیسے موقعہ اور محل کے مطابق کتنی حکمت کے ساتھ اور درد کے ساتھ اور خلوص کے ساتھ انہوں نے ایسی دعائیں مانگیں جو معلوم ہوتا ہے کہ مانگتے وقت ہی خدا کے حضور مقبول لکھی گئی تھیں اور ان کے رد کرنے کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ دعائیں اپنی سچائی اور اپنے خلوص کے ساتھ خود اپنی مقبولیت کی گواہ بن کر دلوں سے اٹھ رہی تھیں۔

چونکہ وقت زیادہ ہو رہا ہے اس لئے اس ایک دعا کے بعد جواب میں آپ کو بتاؤں گا پھر یہ سلسلہ انشاء اللہ اگلے جمعہ میں جاری رہے گا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا آخرت میں بھی دعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی جو زندگی ہے اس میں اور بھی مزید ترقیات عطا ہونی ہیں اور روحانی دنیا میں کوئی ترقی دعا کی مدد کے بغیر عطا نہیں ہوسکتی اس مضمون کو خوب ذہن نشین کر لیں۔ پس اگر مرنے کے بعد بھی ترقیات کا سلسلہ جاری ہے تو دعاؤں کا سلسلہ لازم ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا جنت میں ان جنتوں کی کیا دعا ہوگی۔ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اے اللہ! تو ہر برائی سے پاک ہے۔ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ اور وہ ایک دوسرے کو سلام بھیجیں گے۔ سلام دعا ہے۔ ایک دوسرے کے لئے خدا سے سلامتی مانگیں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس:۱۱) اور آخری دعویٰ ان کا یہ ہوگا۔ آخری دعا ان کی یہ ہوگی کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے

یہاں رب کے اوپر دعا کی جو تان ٹوٹی ہے اور قرآن کریم کی پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر جو دعا کی تان ٹوٹی ہے تو اس میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہو گیا جس سے ہم نے سورۃ فاتحہ کا آغاز کیا تھا۔ وہ مضمون یہ ہے کہ خدا تعالیٰ رب ہے یعنی کسی چیز کو ایک حالت میں نہیں رہنے دیتا۔ جس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اسے ترقی دیتا رہتا ہے۔ اسے آگے بڑھاتا رہتا ہے۔ اس

کی تکمیل فرماتا رہتا ہے، خدا کے ساتھ ایک دائمی ارتقاء کا تعلق ہے۔ جو اس کی ربوبیت کی صفت سے ظاہر ہوتا ہے اور ربوبیت کی صفت سے تعلق رکھتا ہے۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شکر ہے ہم نے سب کچھ حاصل کر لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو رب ہے اور ہمیشہ ترقی دیتا رہتا ہے۔ پس ان مقامات پر فائز ہونے کے باوجود ہم مزید ترقیات کے خواہاں ہیں۔ پس اے خدا! اپنی ربوبیت کا جیسا سلوک تو نے دنیا میں ہم سے فرمایا آخرت میں بھی ربوبیت کا یہی سلوک ہم سے جاری رکھنا۔ اس دعا کے بعد اب میں آج کے خطبے کو ختم کرتا ہوں۔ باقی انشاء اللہ جیسا کہ میں نے گزارش کی ہے اگلے خطبے میں اسی مضمون کو جاری رکھیں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اس کے بعد حضور انور نے سٹیلائیٹ کمیونیکیشن کے ذریعہ براہ راست خطبہ سننے والی جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

”یہ فہرست انہوں نے مجھے دی ہے۔ آج بھی بعض جماعتیں بڑی ہمت کر رہی ہیں۔ بہت خرچ اٹھتا ہے لیکن میں حیران ہوں کہ کس طرح اس مستقل مزاجی سے یہ خرچ وہ برداشت کر رہی ہیں ان ممالک میں سے جاپان غالباً سب سے زیادہ دور ہے، زیادہ خرچ آتا ہوگا اور جماعت چھوٹی سی ہے اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں بہت برکت دے۔ ان سب جماعتوں کو جو نیکی کی خاطر اتنا خرچ کر رہی ہیں، فوراً نیکی کی بات سننے کی حرص لئے ہوئے یہ محنت کر رہی ہیں ان کے لئے دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو آخرت کے رزق بھی عطا فرمائے اور دنیا کے بھی۔ (آج خطبہ سننے والی جماعتوں میں) جاپان ہے، ماریشس ہے اور جرمنی ہے، یہ تین تو ماشاء اللہ مستقل حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اب U.K میں بھی جماعتیں پھیل رہی ہیں۔ مانچسٹر، ساؤتھ آل، ایسٹ لندن کرائیڈن، جلنگھم اور ھنسلو ہیں جو اس خطبے میں ہمارے ساتھ براہ راست شریک ہیں۔“